بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِشارات

ترجمان القرآن کی گذشتہ اشاعت میں ہم نے چند گزارشات اس ملک کے "غیر جانبدار طبقوں" اور اشتراکیت کے علمبرداروں کی خدمت میں پیش کی تھیں۔ اس مرتبہ ہم چند معروضات موجودہ برسرِ اقتدار طبقے خصوصاً صدر محترم سے بھی کرنا چاہتے ہیں اور اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان معروضات پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔

سیاسی شعور کے موجودہ دور میں کوئی شخص بھی اس تلخ حقیقت کے اعتراف سے انکار نہیں کر سکتا کہ کسی ملک میں مارشل لاء کا نفاذ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہوتا جسے کوئی قوم محض دل بہلانے کے لیے وقتاً فوقتاً کھیلتی رہے۔ بلکہ یہ وہ آخری حربہ ہے جس کی مدد سے کسی ڈوبتی ہوئی قوم کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جب کوئی غیر ملکی قوم دوسری قوم پر مسلط ہو کر مارشل لاء نافذ کرتی ہے تو اس کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ محکوم عوام کو جبر و استبداد کے مجنونانہ ہتھکنڈوں سے دہشت زدہ کیا جائے اور انہیں یہ بتایا جائے کہ ان کی جان اور ان کے مال میں سے کوئی چیز بھی حکمرانوں کی دستبرد سے محفوظ نہیں ہے اور وہ جس طرح چاہیں انہیں تباہ و برباد کرنے کا پورا پورا اختیار اور حق رکھتے ہیں۔ اُن کے جو جی میں آئے وہ اسے بغیر کسی مزاحمت کے کر سکتے ہیں اور کوئی قانون اور ضابطہ اُن کی راہ نہیں روک سکتا۔ مگر جب کسی قوم کی اپنی فوج اپنے ہی ملک میں مارشل لاء نافذ کرتی ہے تو اس میں بلاشبہ ایک مقصد قوت کا اظہار بھی ہوتا ہے لیکن اس کے پیچھے یہ جذبہ بھی برابر کارفرما رہتا ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ اگر شر و فساد کی قوتیں بے لگام ہو کر ملک کو تباہی و بربادی کے راستے پر لے جانے کے لیے مصر ہوں اور رائے عامہ اور ملک کا عام قانون انہیں اس حرکت سے باز رکھنے سے عاجز ہوں تو

پھر فوج آگ اور خون کے اس خوفناک کھیل کی غیر متعلق تماشائی نہیں رہ سکتی بلکہ وہ ملک اور قوم کے تحفظ کے لیے انہیں اس کھیل سے روکنے کے لیے آگے بڑھتی ہے۔ مگر فوج کا ملک کے سیاسی معاملات میں یہ دخل بالکل عارضی اور ناگزیر ہوتا ہے۔ وہ اس امر کے لیے کوشاں رہتی ہے کہ جلد از جلد ملک کے حالات معمول پر آئیں تاکہ وہ اپنے اصل کام یعنی دفاعِ وطن کی طرف متوجہ ہو۔

مارشل لا کے بارے میں یہ وہ واضح حقیقت ہے جس کا ملک کی عظیم اکثریت، فوج اور خود سربراہِ مملکت کو پوری طرح احساس ہے۔ جنرل یحییٰ خود بار بار اس امر کا اظہار کر چکے ہیں اور نہایت واضح الفاظ میں بتا چکے ہیں کہ وہ جلد از جلد اپنی بارکوں میں واپس جا کر اپنے اصل فرائض کی طرف پوری یکسوئی سے متوجہ ہونا چاہتے ہیں۔

فوج کو سیاسی اور انتظامی معاملات تفویض کرنے کے نقصانات سے ملک کا کوئی حساس انسان ناآشنا نہیں۔ ہر آدمی جو تھوڑی سی سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ فوج کے انتظامی اور سیاسی مشاغل پہلے اسے ایک سیاسی پارٹی بنا دیتے ہیں، پھر اس کے اندر دھڑے بندیوں کے لیے راہ پانے کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں، اور آخر کار وہ ایک دفاعی طاقت کی حیثیت سے اپنی افادیت کھو دیتی ہے۔ اگرچہ ان جراثیم کا نفوذ بہت آہستہ ہوتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ سرایت کرتے چلے جاتے ہیں۔ مزید براں کسی قوم کی فوج اس کا وہ بیش قیمت اثاثہ ہوتی ہے جس کے ساتھ ساری قوم کو اپنے اندرونی سیاسی اختلافات کے باوجود یکساں محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر فرد اُسے اپنی جان و مال کا محافظ سمجھتا ہے۔ مگر جب وہ ملک کے انتظام و انصرام میں دخیل ہو جائے تو اُس کی وہ غیر جانبدارانہ حیثیت مجروح ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ ہر شہری کی آنکھ کا تارا ہوتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ قوم کے تعلقات کی نوعیت اُس سے مختلف نہیں ہوتی جو سول انتظامیہ کے ساتھ ہوتی ہے، اور یہ ممکن نہیں رہتا کہ کسی بیرونی خطرے کے مقابلہ میں وہ اور فوج یک جان ہو کر کھڑے ہو سکیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں اس کے نتائج اس قدر واضح ہو کر سامنے آ چکے ہیں کہ ان پر کسی بحث کی حاجت نہیں رہتی۔

صدرِ مملکت جنرل یحییٰ خان کو یہ بات خاص طور پر نگاہ میں رکھنی چاہیے۔ یہ حقیقت اگرچہ اپنی جگہ بڑی تلخ ہے مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سابق صدر محمد ایوب نے محض ہوسِ اقتدار کی خاطر ملک میں مارشل لا نافذ کیا تھا ورنہ درحقیقت اُس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور پھر جن بُرائیوں کو دُور کرنے کے لیے یہ کارروائی کی گئی تھی اُن برائیوں میں کمی کیا ہونی تھی اُن میں پہلے سے بہت زیادہ اضافہ ہُوا۔ سابق صدر محمد ایوب کی اپنی خود نوشت سوانح حیات اس بات کی شاہد ہے کہ وہ پاکستان بننے کے چند سال بعد ہی سربراہِ مملکت بننے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ اور اس غرض کے لیے وہ مختلف منصوبے بنا رہے تھے۔ انہوں نے مارشل لا کسی ناگزیر ضرورت کے تحت نہیں لگایا تھا بلکہ اقتدار کی اندھی ہوس نے انہیں یہ خطرناک اقدام کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ عوام کا حافظہ بڑا کمزور ہوتا ہے اور وہ تلخیوں کو بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی وقت اس اقدام اور اس کے نتیجے میں جنم لینے والی خرابیوں کا بے لاگ جائزہ لیا گیا تو اس وقت انہیں یہ معلوم ہوگا کہ غلام محمد، سکندر مرزا اور فیلڈ مارشل صاحب کے اس فعل نے پُوری قوم کے اندر کس قسم کا خوفناک بگاڑ پیدا کیا ہے۔

مارشل لا کا اوّلین مقصد جیسا کہ ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے اجتماعی زندگی کی گاڑی کو جو پٹڑی سے اُتر گئی ہو دوبارہ پٹڑی پر لا کر رواں کر دینا ہوتا ہے۔ مگر سابق صدر نے سب سے پہلے سیاسی پٹڑی کو نقصان پہنچایا۔ ملک غلام محمد جیسا سرپھرا اور مطلق العنان مزاج کا آدمی محمد ایوب صاحب کی شہ پا کر مجنونانہ حرکات کرتا رہا اور اُن کی تائید کی وجہ سے اسے اس قدر جرأت ہوئی کہ اُس نے سارے آئین وضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دستور ساز اسمبلی کو توڑ دیا۔ پھر اسکندر مرزا کو آگے بڑھانے میں بھی فیلڈ مارشل صاحب نے پُوری جدوجہد کی اور اس طرح ملکی حالات کو آمریت کی پٹڑی پر ڈال کر خود موقع کی تلاش میں رہے کہ کسی وقت ذرا حالات سازگار ہوں اور وہ سب کو تختِ اقتدار سے ہٹا کر خود اُس پر براجمان ہو جائیں۔ اجتماعی زندگی کا نہج تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اسے آسانی سے بگاڑا تو جاسکتا ہے مگر اسے سلجھانے میں بڑی وقت پیش آتی ہے۔ چنانچہ جب ان تینوں چاروں آمرانہ مزاج رکھنے والی شخصیتوں کی

ملی بھگت سے سیاسی زندگی میں غلط رجحانات اُبھرنے لگے تو انتظامی شعبے بھی ان سے شدید طور پر متاثر ہوتے اور عوام کے اندر اضطراب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی اور وہ اس صورتِ حال سے سخت پریشان ہو گئے۔ ایوب صاحب نے اس سے فائدہ اٹھا کر فوراً اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور عوام جو بعض سیاستدانوں کی ریشہ دوانیوں اور بے اصولیوں سے نالاں تھے۔ انہوں نے فیلڈ مارشل صاحب کی ذات میں ایک "نجات دہندہ" ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ مارشل لا اُن کے سارے دکھوں کا درماں ہو گا اور محمد ایوب صاحب کی ذاتِ گرامی فوج کی تائید سے اُن کے سارے مسائل حل کر کے اُن کی اجتماعی زندگی کی گاڑی کو صحیح پٹڑی پر ڈال دے گی۔ مگر افسوس کہ عوام کو ایوب صاحب کے عزائم کو سمجھنے میں غلطی لگی واقعات نے بتا دیا کہ فیلڈ مارشل صاحب نے یہ کام حالات کو معمول پر لانے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ملک کو آمریت کی راہ پر ڈالنے کے لیے یہ سارا کھیل کھیلا تھا۔ وہ اپنے پیشِ نظر مخصوص سیاسی مقاصد رکھتے تھے جن کی تکمیل کے لیے انہوں نے مارشل لا کی راہ سے اقتدار حاصل کیا تھا۔

پہلے پہل تو انہوں نے مارشل لا کی فضا پیدا کر کے عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ ملک کے انتظام و انصرام کو بہتر بنانے کا عزم رکھتے ہیں۔ اس کے لیے بعض لوگوں کو گرفتار بھی کیا گیا اور بعض کو سزائیں بھی دی گئیں۔ مگر جلد ہی بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔ فیلڈ مارشل صاحب نے عوام کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنی شروع کی کہ جمہوریت پاکستان کے لیے تباہ کن ہے اور اس کے تحت اہلِ پاکستان کوئی ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ جاہل ہونے کی بنا پر عقل و فکر سے عاری ہیں۔ اس لیے اُن کی نجات کی صورت بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ وہ ایک شخص کو اپنے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیں اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے اشاروں پر چلتے رہیں۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ اُن کے ذہنوں میں یہ خیال بھی مرتسم کیا گیا کہ اُن کے ہاں اس وقت جو قیادت موجود ہے اس میں سے کوئی فرد بھی مخلص اور قوم کا خیر خواہ نہیں۔ یہ سب طالع آزما اور ملک و ملّت کے دشمن ہیں۔ ان سے کسی خیر اور بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

لے دے کر ملک میں صرف ایک ذات ہی بھروسے کے قابل رہ جاتی ہے اور وہ خود فیلڈ مارشل صاحب کی ذاتِ والاصفات ہے۔ ان خیالات کے پرچار کے لیے سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر زبردست جدوجہد کی گئی۔ اور بلا مبالغہ اس میں اس غریب قوم کے کروڑوں روپے صرف ہوئے۔ پریس کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے جن میں صرف سابق صدر صاحب کی مدح وستائش کے سوا اور کسی بات کا تذکرہ قریب قریب ناممکن بن گیا۔ مختلف قوانین کے ذریعے لوگوں کی زبان بندی کی گئی اور انہیں اس بات پر مجبور کر دیا گیا کہ اگر وہ زبان کھولیں تو صدر صاحب کی تعریف و توصیف میں کھولیں ورنہ خاموش رہیں۔ پھر ان کے فرضی کارناموں کو مختلف طریقوں سے اُچھالا گیا۔ اور کسی شخص کو اجازت نہ دی گئی کہ وہ ان کا بے لاگ جائزہ لے سکے۔

اس کے علاوہ ہر آمر کی طرح ایسے نمائشی کام کیے گئے جو کسی حقیقی قدر و قیمت کے حامل نہ تھے۔ مگر جن کی وجہ سے اُن کی شخصیت کو اُبھارنے میں مدد مل سکتی تھی۔ بڑے بڑے شہروں میں سرکاری خرچ پر عالیشان عمارات کی تعمیر، اسلام آباد میں نئے دارالسلطنت کا قیام اور عظیم الشان ہوٹلوں اور ہالوں کی تعمیر پر نہ صرف ملکی روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا بلکہ غیر ممالک سے نہایت اُونچی شرحِ سُود پر قرض لے کر بھی ان غیر پیدا آوری منصوبوں کی تکمیل کی گئی۔ ان منصوبوں میں شاید ہی کوئی منصوبہ معاشی نقطۂ نظر سے اپنے اندر افادیت کا کوئی پہلو رکھتا ہو، بلکہ ان سب کی غرض ایک ہی تھی کہ کسی طرح اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک یہ تاثر قائم کیا جاسکے کہ قوم فیلڈ مارشل صاحب کی قیادت میں حیرت انگیز ترقی کر رہی ہے۔ اس وقت کے اخبارات پڑھنے سے ہر شخص بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس ملک کی اجتماعی سرگرمیوں کا محور صرف صاحبِ صدر کی ذات تھی اور اُن کا مقصد ان کی شخصیت کو اُبھارنا تھا۔ اسی مسلکِ شخصیت (PERSONALITY CULT) کے پیشِ نظر تمام شعبوں کی تنظیم کی گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پورے ملک کے بارے میں یہ تاثر قائم کیا گیا کہ یہاں فہم و شعور رکھنے والے لوگ آباد نہیں بلکہ بھیڑوں کے گلے چر چگ رہے ہیں جنہیں صرف اقتدار کی لاٹھی ہانک کر صحیح راستے پر چلا سکتی ہے۔

اس قسم کے نمائشی اور غیر پیدا آوری منصوبوں سے ملک کی معاشی حالت بالکل تباہ ہو گئی ۔

مارشل لا کی "برکات" کا ذکر کرتے ہوئے محمد ایوب خان نے عوام کو دوسرا مژدہ یہ سنایا تھا کہ ملک کی انتظامیہ میں جو خرابیاں موجود ہیں وہ دُور کی جائیں گی ۔ ان کا موقف یہ تھا کہ نمائندہ حکومت میں سرکاری ملازم عوام کے نمائندوں کے دباؤ میں آکر غلط کام کر دیتے ہیں یا اگر حکومت اُن کا احتساب کرنے لگے تو وہ بدعنوان سرکاری افسروں کی پُشت پناہی کرتے ہیں ۔ اس طرح ملک کا نظم خراب ہو جاتا ہے ۔ فیلڈ مارشل صاحب نے ملک کے باشندوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اُن کی آمریت سے اس نوع کی ساری بدعنوانیاں ختم ہو جائیں گی ۔ عوامی نمائندوں کے ناجائز دباؤ کے تحت نہ تو سرکاری افسر غلط کام کرنے پر مجبور ہوں گے اور نہ یہ غلط کار نمائندے بدقماش افسروں سے ناجائز مفادات کے حصول کی خاطر انہیں احتساب سے بچانے کی کوشش کریں گے ۔ اور اس طرح ملک کی انتظامی مشینری ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو کر دیانتداری اور مستعدی سے اپنے فرائض کو سرانجام دینے کے قابل ہو جائے گی ۔ مگر افسوس کہ فیلڈ مارشل صاحب نے مارشل لا کے نفاذ سے عوام کو بہتر انتظامیہ کی جو توقع دلائی تھی وہ بھی پوری نہ ہو سکی بلکہ اس کے اندر پہلے سے بڑھ کر ناقابلِ بیان انحطاط اور بگاڑ پیدا ہو گیا ۔ اس کی وجہ بھی سابق صدر کے مذموم عزائم تھے ۔ اگر اُن کے پیشِ نظر صرف یہی بات ہوتی کہ فوج کی قوت سے بڑی بڑی بدعنوانیوں کو دُور کر کے اقتدار عوام کی طرف منتقل کر دیں تو وہ ایک سال کے اندر اس کام کو بخوبی سرانجام دے سکتے تھے ۔ انہوں نے جن حالات اور جس جذباتی فضا میں مارشل لا نافذ کیا اس میں ان کے لیے یہ کام کرنا کچھ مشکل نہ تھا ۔ مگر چونکہ اُن کے عزائم کچھ دوسرے تھے اور وہ اقتدار کی مسند پر بلا شرکتِ غیرے تاحیات متمکن رہنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے ایک ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جس سے انتظامیہ بالکل تباہ ہو گئی اور اس میں وہ ساری برائیاں بدرجۂ اتم پیدا ہو گئیں جن کے ذمہ دار پہلے عوامی نمائندے قرار دیئے جاتے تھے ۔ فیلڈ مارشل صاحب نے اپنی آمریت کو مدتِ دراز تک قائم رکھنے کے لیے عوام اور سرکاری افسروں میں سے ایسے لوگ تلاش کیے جو اُن کی خوشنودی کی خاطر ہر جائز و ناجائز کام کرنے کے لیے تیار ہوں ۔ یہ "مردانِ کار" فراہم ہو جانے

کے بعد فیلڈ مارشل صاحب اور ان کے حواریوں نے ان سے ایسے ایسے کام لیے جن کے تصور سے رُوح کانپ اٹھتی ہے۔ اقتدار کے ان خیر خواہوں نے سابق صدر کی رضا جوئی کے لیے بالکل بے خوف ہو کر عوام کو اپنے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا۔ یہ سرکاری افسر اس حد تک بے باک اور جری ہو چکے تھے کہ اسمبلی کے اندر گھس کر عوامی نمائندوں کو مارنے اور گالیاں دینے سے گریز نہ کرتے تھے۔ پوری آبادی نوکر شاہی کے ہاتھوں بے بس تھی اور وہ اس کے خلاف کوئی فریاد بھی نہ کر سکتی تھی۔ "بدعنوان سیاستدانوں" کے دور میں عوامی نمائندوں کو کم از کم اتنی آزادی تو ضرور تھی کہ ظالم اور سفاک افسروں کے ظلم و استبداد کے خلاف اسمبلی کے اندر اور باہر آواز اُٹھا سکیں، مگر ایوب صاحب کی آمریت میں وہ اس حق سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ کسی فرد یا جماعت کو اُن افسروں کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہ تھی جو اقتدار کے لیے مفید ہونے کی وجہ سے اس کے منظورِ نظر تھے۔ آج اخبارات میں آئے دن ان افسروں کے رُوح فرسا مظالم کے جو واقعات سامنے آتے رہتے ہیں یہ سب نوکر شاہی کے اس مطلق العنان مزاج کے نتائج ہیں جسے سب سے زیادہ غذا ایوب صاحب کی آمریت نے فراہم کی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ فیلڈ مارشل صاحب نے مارشل لا کے ذریعے بہتر انتظامیہ کی بجائے بدتر انتظامیہ کو جنم دیا ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

فیلڈ مارشل صاحب نے سب سے پہلے دستور سے بدعہدی کرتے ہوئے مارشل لاء کا نفاذ کیا، اور پھر مارشل لاء سے یہ بدعہدی کی کہ اس کی دہشت پسندانہ فضا میں ایسے کام کرنے شروع کیے جن کا تعلق لوگوں کے دین اور ایمان سے تھا۔ مارشل لاء کا اگر کوئی مقصد ہو سکتا تھا تو صرف یہ کہ اگر کچھ قوتیں دھونس دھاندلی اور جبر و تشدد سے اقتدار قوم کے صحیح نمائندوں کی طرف منتقل ہونے میں مزاحم ہو رہی ہوں تو انہیں اس سے باز رکھا جائے اور ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن کے تحت اقتدار کی باگیں قوم کے حقیقی نمائندوں کے ہاتھ میں پُر امن طریقے سے منتقل ہو جائیں اور کوئی گروہ محض غنڈہ گردی کے ذریعے اس میں رکاوٹ نہ پیدا کرے۔ ملک کے اندر خود ملکی فوج کے

ہاتھوں مارشل لا کے نفاذ کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ مگر فیلڈ مارشل صاحب نے مارشل لا کے اس بنیادی تقاضے کے بالکل برعکس فوج سے حاصل ہونے والی قوت کی مدد سے اپنے دل پسند افکار کا پرچار شروع کیا اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ انہیں اپنانے کی کوشش کریں۔ مارشل لاء کا یہ کارنامہ صرف سوشلسٹ ممالک یا پھر پاکستان میں سابق صدر محمد ایوب صاحب کے دَورِ اقتدار میں دیکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعے ملک کے اندر عوام کے منشا و مرضی کے علی الرغم صاحبِ اختیار اپنا ایک خاص نظامِ فکر و عمل رائج کرنے کی کوشش کرے۔ جو لوگ افکار و نظریات کے اندر انقلاب یا قوم کے معاشرتی اور اجتماعی ڈھانچوں میں تبدیلیاں لانے کے اخلاص کے ساتھ آرزومند ہوتے ہیں وہ کبھی مارشل لا کے راستے کو منتخب نہیں کرتے بلکہ اُس معقول اور سیدھے راستے کو اختیار کرتے ہیں جو اس انقلاب اور تغیر کا فطری راستہ ہے۔ وہ فوج، پولیس یا اقتدار کی تائید کے بغیر خالص دلائل کی قوت کے ساتھ اپنے تصورات اور عزائم پیش کرکے عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ اور جب اکثریت اُن کے پیش کردہ خیالات کی صحت اور افادیت کی قائل ہو جائے تو پھر وہ ان کے مطابق ملک کے اندر تبدیلیاں لاتے ہیں۔ کیونکہ اگر ان فطری مراحل سے گزرے بغیر فکر و عمل کا کوئی انقلاب لایا جائے تو ایک تو وہ دیرپا ثابت نہیں ہوتا دوسرے اس کے لیے بڑے جبر و تشدد سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہی حال ایوب صاحب کے انقلابی پروگرام کا ہوا انھوں نے وقتاً فوقتاً اپنی تحریروں اور تقریروں میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے انہیں پڑھنے سے یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ مذہبی اور دینی معاملات میں اُن کے سوچنے کا انداز اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے اُن کے پیشِ نظر پروگرام اِس ملک کے عوام کے دینی مزاج اور قومی امنگوں سے مختلف تھا۔ انہیں ہر لحظہ "وقت کے تقاضوں" کا احساس ستاتا رہتا تھا۔ اور وہ ان تقاضوں سے اتنے متاثر تھے کہ پورے دین کو اُن کے مطابق تبدیل کرنے کے درپے تھے۔

اللہ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اسلام کی صورت میں ہمیں ایک ایسا دین

عطا فرمایا ہے جو انسانیت کے لیے ابدی ہدایت کا موجب ہے اور جس کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی سے انسان دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی دنیوی اور اُخروی فلاح کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ اپنے افکار و اعمال کو اللہ کے دین کے مطابق ڈھالے۔ مگر فیلڈ مارشل صاحب نے اس قوم کو دین کے بارے میں یہ نظریہ دیا کہ مذہب انسان کے لیے ہے، انسان مذہب کے لیے نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے فکر و عمل کے ڈھانچوں کو مذہب کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت نہیں بلکہ مذہب کو انسانی خواہشات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کر دینا چاہیے۔ فیلڈ مارشل صاحب کے نزدیک چونکہ ہر دَور کے اپنے مخصوص تقاضے ہوتے ہیں اس لیے مذہب کو اُن کے ساتھ تبدیل ہوتے رہنا چاہیے۔ یہ نظریہ مذہب کے لیے جس قدر تباہ کُن ہے اس کا بظاہر اندازہ نہیں ہوتا مگر جب اس باطل خیال کے عملی مضمرات سامنے آتے ہیں تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو مذہب کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے والا نظریہ ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ مذہب کو ہر دَور کے مطابق تبدیل ہونا چاہیے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کی کوئی قدر، اس کا کوئی اصول اور ضابطہ، اس کا کوئی نظامِ اخلاق و معاشرت، الغرض اس کی کوئی چیز بھی مستقل اور پائیدار نہیں بلکہ ہر چیز وقت کے گزرنے کے ساتھ بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ فیلڈ مارشل صاحب اس قسم کے گمراہ کُن نظریات کا کہیں دبے لفظوں میں اور کہیں کھل کر اظہار بھی کرتے رہے۔ اپنی ایک تقریر میں جو انھوں نے فوجی افسروں کے مخصوص اجتماع میں کی، یہ بات برملا کہی کہ آخر یہ چیز کس حد تک قرین قیاس ہو سکتی ہے کہ ایک غیر مہذب اور غیر ترقی یافتہ معاشرے کے چودہ سو سال پُرانے قوانین کو آجکل نافذ کر دیا جاتے؟ اُن کی نگاہ میں اسلام کے صرف دو اصول مستقل قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ ایک توحید اور دوسرے مساوات۔ ان دو اصولوں کے علاوہ ہر اصول بوسیدہ ہونے والا ہے۔

یہ تھا دین کے بارے میں وہ نظریہ جو فوج اور سول سروس کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اور نشر و اشاعت کے سرکاری وسائل کے بل بوتے پر فیلڈ مارشل صاحب نے ملک میں پھیلانا شروع کیا۔

اشتراکی ممالک کو چھوڑ کر کیا کسی ایک ملک کی بھی نشاندہی کی جا سکتی ہے جہاں فوج اور انتظامیہ کی مدد سے لوگوں پر کوئی صاحبِ اختیار اپنے دل پسند نظریات ٹھونسنے کی کوشش کرے؟ اسلامی تاریخ میں خلافتِ راشدہ کے سنہری دَور کو تو چھوڑیے، وہ تو ہر لحاظ سے انسانیت کے لیے خیر اور بھلائی کا مثالی دَور تھا۔ مطلق العنان فرماں رواؤں تک نے یہ طرزِ عمل اختیار کرنے سے اجتناب کیا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے جب فقہِ مالکی کو قانون کے ذریعے رائج کرنے کا ارادہ کیا تو خود اس فقہ کے مُرتّب نے خلیفہ کے اِس اقدام کی مخالفت کی۔ مگر فیلڈ مارشل صاحب نے ان ساری اچھی اور صحت مندانہ روایات کو یکسر نظرانداز کر کے اس ملک کی عظیم اکثریت کے نظریات بدلنے کے لیے بھرپُور جدوجہد شروع کی۔ اُن کے اس غلط طرزِ عمل سے ملک کو جو نقصان پہنچا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ غیر اسلامی نظریات رکھنے والے لوگوں نے فیلڈ مارشل صاحب کے سایۂ عاطفت میں رہ کر اور اُن کی شہ پا کر اپنے باطل افکار کا پرچار شروع کیا۔ انہوں نے ایک طرف حکومت کے انتظامی شعبوں میں گھس کر ملک کے اندر اثر و رسوخ حاصل کیا اور دوسری طرف نشر و اشاعت کے ذرائع پر قابض ہو کر اپنے خیالات عوام کے ذہنوں میں اُتارنے کی جدوجہد شروع کی۔ فیلڈ مارشل کی نفسیاتی کمزوری کو انہوں نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا کہ وہ ذہنی اعتبار سے آمر ہیں اور اقتدار کے ساتھ زیادہ سے زیادہ عرصے کے لیے چمٹے رہنا چاہتے ہیں۔ اس لیے انہیں خوش رکھنے کے لیے صرف ایک ہی چیز کی ضرورت ہے کہ اُن کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جائیں اور جو لوگ اُن سے ذرا اختلاف رکھتے ہیں یا جن کے سوچنے کا انداز سابق صدر سے ذرا مختلف ہے انہیں ہر طرح سے بدنام کیا جاتے، اور فیلڈ مارشل صاحب کو یہ باور کرایا جائے کہ یہ لوگ اُن کے دشمن ہیں اور ان کے کاموں میں خواہ مخواہ کیڑے ڈالتے رہتے ہیں۔ خوشامد پسند انسان کا ہمیشہ سے یہ مقدر رہا ہے کہ وہ اپنے حقیقی خیرخواہوں سے دُور ہو کر طالع آزماؤں اور مفاد پرستوں کے نرغے میں گھِر جاتا ہے جو اُسے خوش کُن باتیں سنا کر حقائق سے غافل رکھتے ہیں اور بالآخر اس کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ فیلڈ مارشل صاحب کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہُوا۔ ملحدانہ افکار رکھنے والے لوگوں اور مفاد پرستوں نے سابق صدر صاحب کی اِس کمزوری سے پُورا پُورا فائدہ اٹھایا اور اُن کے دل میں ان لوگوں، جماعتوں اور گروہوں سے

بدگمانیاں پیدا کردیں جو اس ملک کے اور خود اُن کے حقیقی خیر خواہ تھے اور اس بنا پر انہیں ان کی غلط روش پر ٹوکتے تھے۔ اور انہیں خبردار کرتے تھے کہ وہ خود بھی اور ملک کو بھی بڑی خطرناک راہ کی طرف لے جا رہے ہیں۔ مگر انہوں نے خیر خواہی کے اِن سارے مشوروں کو اپنے خلاف چیلنج سمجھا اور نصیحت کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھ کر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔

اس طرح خادمِ دین اور ملک کے بہی خواہ تو معتوب ہوئے اور اس خطۂ پاک میں غیر اسلامی نظریات کے علمبرداروں، مفاد پرستوں، طالع آزماؤں اور ضمیر و ایمان بیچنے والوں کو اس بات کی کھلی چھٹی مل گئی کہ وہ سرکار کی سرپرستی میں اپنی غیر اسلامی اور غیر اخلاقی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ان لوگوں نے ایک طرف ناجائز ذرائع سے بے تحاشا دولت حاصل کی اور دوسری طرف سرکاری اخراجات سے اسلام کے خلاف مختلف قسم کی سازشیں کیں۔ ثقافت اور آرٹ کے نام پر نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑا۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے ان کے دماغوں میں باطل افکار کی آبیاری کرنے کی کوشش کی۔ پھر مقامی بولی اور مقامی کلچر کے نام پر جگہ جگہ علاقائی عصبیتوں کو ابھارا۔ اور اس طرح اسلام کے اُس مضبوط رشتے کو شدید نقصان پہنچایا جو پاکستان کے قیام کا واحد محرک، اس کے حفظ و بقا کی سب سے بڑی ضمانت، اس کے باشندوں کے مابین، سب سے مضبوط رشتۂ اخوت اور اس کی تعمیر و ترقی میں ایک زبردست ولولے کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام کے بغیر پاکستان کا تخیل، وجود اور اس کا مستقبل خواب پریشاں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اگر یہاں اسلام آئے تو یہ ملک زندہ بھی رہ سکتا ہے اور ترقی کرکے دوسرے مسلم ممالک کے لیے سہارا بھی بن سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ اسلام کا گہوارہ نہیں بن سکتا تو پھر اس کی حیثیت راکھ کے ڈھیر سے زیادہ نہیں جسے باطل کی آندھیاں بڑی آسانی سے منتشر کر سکتی ہیں۔ سابق صدر نے پاکستان کی اس رگِ جاں کو بلاواسطہ اور بالواسطہ نقصان پہنچایا۔ دین کے بارے میں وہ اپنے جو نظریات

رکھتے تھے وہ تو اکبر کے دینِ الٰہی کی طرح محض وقتی اور ناپائیدار ثابت ہوئے۔ کسی فرد نے بھی انہیں دل و جان سے قبول نہ کیا۔ اُن کے دورِ اقتدار میں دو چار افراد کسی نہ کسی طرح تذکرہ کرتے رہے مگر ان کے اقتدار سے ہٹنے کے ساتھ اُن کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہا۔ البتہ کفر اور الحاد نے اُن کی آمریت کے سائے میں خاصی ترقی کی اور اشتراکیت پسند اور لادین عناصر کو یہ جرأت ہو گئی کہ وہ کھُل کر اللہ کے دین کے خلاف باتیں کریں۔ یہ جو کچھ ہوُا ایک آمر کی تائید و حمایت اور اس کی شہ پر ہوُا۔ اگر فیلڈ مارشل صاحب کی ہمہ مقتدر شخصیت ان عناصر کی محافظت اور پاسبانی نہ کرتی اور حکومت کے وسائل اور اس کی قوت سے انہیں فائدہ اٹھانے کے مواقع فراہم نہ کرتی اور انہیں قومی زندگی کے مراکز اعصاب پر مسلط ہو کر اپنی طاقت کے بل بوتے پر کام کرنا نصیب ہوتا تو پھر نہ تو یہ عناصر اتنے جری ہو سکتے تھے جتنے آج نظر آتے ہیں اور نہ ان کی سرگرمیاں اتنی تیز ہو سکتی تھیں جتنی اس وقت دکھائی دیتی ہیں۔ اس وقت ملک میں جو فکری اور ذہنی خلفشار موجود ہے وہ سب ایوب خانی مارشل لاء کے نفاذ اور اس سے بڑھ کر اس کے غلط استعمال کا بالکل فطری نتیجہ ہے۔ اگر فیلڈ مارشل صاحب صرف حالات کو معمول پر لانے کا ایک ذریعہ سمجھ کر اس طاقت کو استعمال کرتے تو آج عوام کے اندر اپنے مستقبل کے بارے میں جو مایوسی اور پریشاں فکری نظر آتی ہے وہ کبھی پیدا نہ ہوتی۔

ہم نے سابقہ مارشل لاء اور اس سے پیدا ہونے والے چند نتائج کا صرف اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ جو لوگ یہ انتہائی قدم اٹھاتے ہیں انہیں فکر و عمل میں کس حد تک محتاط اور چوکس رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس معاملے میں ذرا سی غفلت بڑے سنگین نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ دلوں کے راز تو خدا جانتا ہے، لیکن اب تک موجودہ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر محمد یحییٰ صاحب نے اپنی تقریروں میں اس عزم کا بار بار اظہار کیا ہے کہ وہ نہ تو خود تختِ اقتدار پر مسلط رہنا چاہتے ہیں اور نہ مارشل لاء کو طول دینے کے حق میں ہیں، بلکہ اس بات کے پوری طرح آرزومند ہیں کہ اقتدار کو عوام کے نمائندوں کی طرف منتقل کر کے فوج کو اپنے اصل کام کی طرف متوجہ کر دیں۔ اپنے اس عزم کا ثبوت انہوں نے

انتخابات کی تاریخ کا اعلان کرکے اور بالغ رائے دہندگی کے تحت براہِ راست انتخابات کا انتظام کرکے بہم پہنچا دیا ہے۔ اس وقت تک ان کے طرزِ عمل سے ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی جس سے اُن کے عزم کے بارے میں شبہ کیا جاسکے۔

لیکن دو تین باتیں ہیں جن کی طرف ہم انہیں توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ سابق صدر صاحب نے حکومت کی طرف سے غیر اسلامی عناصر کی حوصلہ افزائی کا جو ماحول پیدا کر رکھا تھا اُسے ختم کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ اس میں بلاشبہ دخل ایوب صاحب سے پہلے کی حکومتوں کا بھی ہے مگر فیلڈ مارشل صاحب کے دورِ اقتدار میں عوام کے اندر یہ تأثر پوری طرح قائم ہوگیا تھا کہ حکومت اسلامی عناصر کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان کے مقابلے میں غیر اسلامی نظریات کے حامل اور مغربی طرزِ زندگی کے شیدائی لوگوں کو ملک و ملت کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد سمجھ کر اُن کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ یہ تأثر جتنی جلدی ختم ہو جائے اسی قدر پاکستان کے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ اس تأثر کی وجہ سے یہاں رضائے عامہ (GENERAL WILL) اُبھر کر قوتِ حاکمہ بننے نہیں پاتی۔ اس ملک کی عظیم اکثریت اسلامی نظام کی طالب ہے مگر حکومت کے ایوانوں میں اگر غیر اسلامی عناصر کی پذیرائی ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ حکومت اسلامی نظام کے قیام کی حامی نہیں ہے بلکہ محض لوگوں کے جذبات سے کھیل رہی ہے اور درحقیقت اسلام کے نام پر کوئی دوسرا نظامِ حیات یہاں مسلط کرنا چاہتی ہے۔

ان تأثرات کی مسموم فضا میں غلط عناصر کو اجتماعی زندگی میں تقویت حاصل ہوتی ہے جس سے فائدہ اٹھا کر یہ عناصر اپنی اصل قوت سے کہیں زیادہ قوت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اور اس طرح "خاموش اکثریت" کی ایک اچھی خاصی تعداد کو دھوکہ دے کر اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں۔

صدرِ محترم نے مختلف سیاسی پارٹیوں اور گروہوں کے مابین جو غیر جانبدارانہ روش اختیار کر رکھی ہے وہ یقیناً قابلِ قدر ہے۔ ہم ان سے قطعاً یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ وہ کسی کی طرف داری کریں۔ مگر ان

کی خدمت میں یہ گزارش ضرور کریں گے کہ وہ اُس تاثر کو ضرور مٹانے کی کوشش کریں جو ایک مدت سے حکومت کی غلط روش کی بدولت قائم ہو چکا ہے ۔ اس تاثر کو مٹانے کے لیے یُوں تو ایک وسیع اور لمبے منصوبے کی ضرورت ہے مگر چند ایک اقدامات ایسے ہیں جن سے اسے کسی حد تک تھوڑی مدت کے اندر زائل کیا جا سکتا ہے ۔

(ا) سرکاری ملازموں میں خصوصاً اونچے عہدوں پر جو لوگ فائز ہیں ان کا سختی سے محاسبہ کیا جائے اور ان میں سے جن افراد کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اپنی سرکاری حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر باطل نظریات کا پرچار کرتے ہیں یا غیر اسلامی رجحانات اور عناصر کو تقویت دینے میں مددگار ثابت ہو رہے ہیں، انہیں ان عہدوں سے ہٹا دیا جائے ۔ کیونکہ سرکاری خزانے سے تنخواہ پانے والے لوگوں کو اس بات کا قطعاً حق نہیں پہنچتا کہ وہ اِن عہدوں پر براجمان ہو کر عوامی امنگوں کے خلاف سازش کریں ۔

(ب) دوسرے وہ لوگ جو فیلڈ مارشل صاحب کے دَور میں محض دینی خیالات اور رجحانات کی وجہ سے معتوب تھے ان کے ساتھ اب ایسا رویہ جاری نہ رہنا چاہیے جس سے یہ ظاہر ہو کہ اب بھی وہ معتوب ہی ہیں ۔ یہ کس قدر ظلم ہے کہ کسی عنصر کو محض اس لیے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے یا بلنے دیا جاتے کہ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ میں اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کا خواہاں ہوں اور دوسرے عنصر کے ساتھ صرف اس لیے نرمی برتی جائے کہ وہ مخالفِ اسلام نظریات یا ملک کی وحدت کو نقصان پہنچانے والے خیالات رکھنے کے باوجود سابق حکومت کی سرپرستی کے باعث کافی طاقت پکڑ چکا ہے ۔ گزشتہ ڈیڑھ سال میں اس کی کئی مثالیں پے در پے سارے ملک کے سامنے آچکی ہیں، اس لیے ان کے بیان کی حاجت نہیں ہے، لیکن اگر ضرورت ہو تو ان کو ایک ایک کر کے گنایا جا سکتا ہے

دوسری چیز جس کی طرف ہم خاص طور پر صدر صاحب کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ ملک

میں ایک ایسی پُرامن فضا کا قیام ہے جس کے اندر قومی امنگیں رائے عامہ کی صورت اختیار کرکے قوتِ حاکمہ بن سکتی ہیں۔ صدرِ محترم اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ووٹ صرف اسی صورت میں عوامی رجحانات کی صحیح طور پر عکاسی کر سکتا ہے جب ملکی فضا امن سے معمور ہو اور ہر فرد یہ محسوس کرے کہ وہ کسی ڈر اور خوف کے بغیر اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ جنرل یحییٰ خاں جس طرح انتخابات کے انعقاد کے لیے بڑے عزم کا ثبوت دیا ہے اسی طرح اُن پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اسے کامیابی کے مراحل سے گزارنے کے لیے عوام کے ذہنوں سے دہشت اور یاس و قنوطیت کے احساسات کو دُور کریں۔

اس وقت ملک میں بعض افراد اور بعض سیاسی جماعتیں جس طرح بدامنی اور دہشت پھیلا رہی ہیں اس سے عوام سخت خوفزدہ ہیں اور ان کے دل میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہو رہی ہیں اور کبھی کبھی وہ اس انداز پر سوچنے لگتے ہیں کہ کیا انتخابات عملاً منعقد ہوں گے بھی؟ مایوسی کی اس فضا میں کیا کوئی امن پسند جماعت یا گروہ یکسوئی کے ساتھ اپنی انتخابی سرگرمیاں جاری رکھ سکتا ہے؟

اس صورتِ حال کا ایک اور نقصان بھی ہے جس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ آج سے چند سال پیشتر امنِ عامہ کو برباد کرنے والے لوگ اپنے الگ دھڑے رکھتے تھے۔ بعض سیاسی کھلاڑی ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کی پشت پناہی کرتے تھے مگر سیاسی جماعتیں ان کے وجود سے زیادہ تر پاک رہتی تھیں۔ مگر موجودہ فضا میں ان لوگوں کی غیر معمولی افادیت کے پیشِ نظر بعض جماعتوں نے انہیں براہِ راست اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یہ غیر ذمہ دارانہ عناصر سیاسی سٹیج سے اپنی سماج دشمن سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوتے ہیں اور ان کی جماعتیں اور ان کے لیڈر ان کی ہر معاملے میں تائید اور حمایت کرتے ہیں۔ سیاست کے اندر غنڈہ گردی کا یہ رجحان بڑا خطرناک ہے۔ اس کا عملاً نتیجہ یہ ہوگا کہ شرفاء تو گھروں میں دبک کر بیٹھ جائیں گے اور چند افراد ان غنڈہ عناصر کی مدد سے میدان مار لیں گے۔ اگر یہی صورتِ حال کچھ مدت تک قائم رہی تو ملک کی عنانِ اقتدار براہِ راست تخریب پسند عناصر کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ اس ملک کے سارے ہی خواہوں کو اس

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

(بقیہ اشارات)

معاملہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ اگر موجودہ حکومت اس معاملے کی سنگینی کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس طرف ذرا توجہ دے تو حالات بہت کچھ سدھر سکتے ہیں۔ ابھی پانی سر سے نہیں گزرا کہ کچھ کیا نہ جا سکے۔

سیاسی میدان سے ہٹ کر بھی اگر دیکھا جائے تو سماج دشمن عناصر نے ملک کے اندر جو اودھم مچا رکھا ہے اس نے لوگوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں اچھا خاصا مایوس کر دیا ہے۔ قتل و غارت، اغوا، ڈاکہ زنی، چوری کی وارداتیں اس قدر تیزی سے بڑھتی جا رہی ہیں کہ شریف آدمی کے لیے جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ ایک لمحہ کے اندر اس کی زندگی، اور اس کی عزت و آبرو کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ شدید خوف و ہراس کے عالم میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس دہشت زدہ ماحول میں وہ ملک و ملت کے مسائل کے بارے میں آخر کس طرح سنجیدگی سے غور کر سکتا ہے؟ اس کی نظر میں مارشل لا کا اگر کوئی فائدہ ہو سکتا تھا تو یہی کہ اس میں کوئی فرد یا گروہ قانون شکنی کی جرأت نہ کر سکتا۔ لیکن جب امن و امان قائم کرنے کا یہ آخری حربہ بھی ناکام ہوتا نظر آتے اور عوام مارشل لا کے اندر بھی سماج دشمن عناصر کی تخریبی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو محفوظ نہ پائیں تو ان کے اندر شدید مایوسی کا پیدا ہو جانا بالکل فطری امر ہے۔ یہ ایک ایسی فضا ہے جو انتشار پسندوں کو بڑی راس آتی ہے۔

صدرِ محترم کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ ان کی حکومت کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرے جس سے ملکی حالات میں مزید بگاڑ پیدا ہو۔ انہیں اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ کسی معاشرے

کی معاشی بدحالی اشتراکیت کو فروغ دینے میں مددگار ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے اس ملک میں بھی حکومت کی غلط معاشی پالیسیوں کی وجہ سے غریب طبقہ اس قدر مفلوک الحال ہوگیا ہے کہ اسلام سے محبت رکھنے کے باوجود وہ کبھی کبھی اشتراکیت کی طرف محض اس لیے مائل ہو جاتا ہے کہ اس سے سرمایہ داری کی لعنتوں کا خاتمہ ہوگا۔ اس ملک کے اوپر کے طبقوں میں اشتراکیت کو راہ پانے کا جو موقع ملا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نظام کو اپنانے سے انہیں اخلاقی ذمہ داریوں سے نجات ملتی ہے۔ مگر غریب طبقوں کے اندر اشتراکیت کے لیے جو تھوڑی سی کشش پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ محض غربت و افلاس ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اُن کے جس اقدام کی زد یہاں کے غریب عوام پر پڑتی ہو اُس سے لازمی طور پر اشتراکی حلقوں کو فائدہ پہنچے گا۔ ہر آن بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور ضروریاتِ زندگی کی بے تحاشا گرانی سے ملک کے اندر بے چینی بڑھے گی اور عوام صورتِ حال کی اصلاح کے پُرامن راستوں سے مایوس ہوکر تخریب پسندانہ روش اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس سلسلے میں موجودہ حکومت سے کئی ایک لغزشیں ہوئی ہیں مگر اس نوع کی سب سے بڑی لغزش اس سال کا مرکزی بجٹ ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت بے جا مصارف میں کمی کرتی اور ٹیکسوں کی وصولی میں زیادہ مستعدی کا ثبوت دیتی اور اس امر کی کوشش کرتی کہ جو لوگ ناجائز ذرائع استعمال کرکے اس بوجھ سے بچ جاتے ہیں ان کا اچھی طرح محاسبہ کرکے ان سے ٹیکس وصول کیے جائیں۔ مگر حکومت نے اس صحیح راستہ کے بجائے معاشی اعتبار سے پسے ہوئے مفلوک الحال لوگوں پر ٹیکس کا ناقابلِ برداشت بوجھ ڈال دیا ہے۔

جس دن سے بجٹ کا اعلان ہُوا ہے اس دن سے ایک طرف تو قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف بیروزگاری بڑھ رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ غریب لوگ جو معاشی اعتبار سے پہلے ہی سخت بدحال ہیں، اب مزید پریشان ہو گئے ہیں۔ یہ تشویشناک صورتِ حال ملک کے مستقبل کے لیے بڑی خطرناک ہے اور اس سے تخریب پسند عناصر کو غیر قانونی اور تشدد پسندانہ سرگرمیاں جاری رکھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔